© rasailojaraid.com

تربیت و تزکیہ

تربیت کا عمل اور طریقہ کار

عبدالرشید صدیقی

تربیت اور تزکیہ نفس کے لیے عملی طریقہ کار کیا ہونا چاہیے؟ اپنے نفس کی اصلاح کا نقطہ آغاز کیا ہو؟ کن ذرائع سے مدد حاصل کی جائے؟ یہ وہ "شاہ کلید" ہے جس کے ذریعے انسان تزکیہ نفس کی شاہراہ پر کامیابی کے ساتھ قدم بڑھا سکتا ہے۔ اس بارے میں اہم نکات پیش ہیں۔

۱۔ **اصلاح قلب**: تزکیہ کا آغاز اپنے دل کی اصلاح سے ہوتا ہے۔ "قلب" کی اصطلاح قرآن و حدیث میں کثرت سے استعمال ہوئی ہے۔ اس سے محض وہ دل جو خون کو گردش میں لاتا ہے، مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق انسان کی پوری شخصیت، اس کی نفسیات، اس کی خواہشات، اس کی عقلی اور دلی وابستگی اور وہ تمام امور جن سے وہ متاثر ہو کر کسی کام کو کرتا یا کسی امر سے اجتناب برتتا ہے، پر ہوتا ہے۔ اس کی ایک جامع تشریح خرم مرادؒ نے اپنے مضمون اپنی تربیت کیسے کریں؟ میں یوں فرمائی ہے:

> ایک چیز جس کی تمھیں ہر مقصد کے حصول کے لیے ضرورت ہوگی، وہ تمھاری اپنی شخصیت ہے۔ شخصیت کا لفظ ہم وسیع معنوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ تمھارا جسم، تمھاری عقل، تمھاری معنوی صلاحیتیں، تمھارا دل، تمھارے جذبات، تمھارا کردار، تمھارے اخلاق غرض ہر چیز شخصیت میں شامل ہے (ترجمان القرآن، نومبر ۱۹۹۶ء، ص ۴۶)۔

قرآن حکیم کی رو سے انسان کی فلاح کا دارومدار قلب سلیم پر منحصر ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ○ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ (الشعراء ۲۶:۸۸-۸۹)

اس دن نہ مال کوئی فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اس کے کہ کوئی شخص قلب سلیم لیے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قلب کی اس اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ (بخاری)۔

خبردار انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ اگر یہ صحیح و سالم ہے تو تمام جسم صحیح و سالم ہے، اگر یہ فاسد ہے تو تمام جسم فاسد ہے۔ دیکھو یہ دل ہے۔

قرآن مجید واضح طور پر یہ نشان دہی کرتا ہے کہ برائی کی اصل جڑ انسان کے قلب میں ہوتی ہے۔ ارشاد فرمایا: فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (البقرہ ۲:۱۰) "ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے"۔ زندگی میں تمام فساد اسی قلب کے فساد سے رونما ہوتے ہیں۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ۝ (الحج ۲۲:۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

چنانچہ تزکیہ نفس کی ابتدا دل کی پاکیزگی اور صفائی سے کرنا چاہیے۔ اس سے انسان فلاح حاصل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ لِلْاِیْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهٗ سَلِیْمًا (رواہ احمد و البیہقی فی شعب الایمان)۔

اس نے یقیناً فلاح پائی جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لیے خالص کر دیا اور جسے قلب سلیم عطا فرمایا۔

پھر انسان کا دل ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ اس لیے دائماً ہدایت پر قائم رہنے کی جدوجہد کرنی چاہیے اور بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا (آل عمرٰن ۳:۸)

اے پروردگار، جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے، تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔

سرور کائنات یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے:

یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ (ابن ماجہ، مسند احمد)۔

اے دلوں کو گردش دینے والے! ہمارے دل کو اپنے دین پر قائم و برقرار رکھ۔

۲- ذکر و عبادات: اپنے دل کو ہمیشہ یاد الٰہی سے معمور رکھنا چاہیے۔ نسیان اور غفلت انسان کی بنیادی کمزوری ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور اس کی قربت کا شعور ہروقت انسان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذہن میں موجود رہے۔ تمام عبادات کا مقصد اصلاً یہی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں۔ چنانچہ نماز کے بارے میں فرمایا: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طٰہٰ ۲۰:۱۴)، "اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو"۔ جمعہ کا خطبہ بھی ذکر اللہ ہے (الجمعہ ۶۲:۱۰)۔ یہ ذکر نہ صرف مخصوص عبادات کی حد تک محدود ہے، بلکہ زندگی کے ہر لمحے اور اس میں پیش آنے والے تمام ہی واقعات اور حوادث میں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا مقصود ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمرٰن ۳:۱۹۱)

جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں۔

ثابت بنانیؒ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ میرا رب کب مجھے یاد کرتا ہے۔ لوگ ڈر گئے اور پوچھا یہ کس طرح آپ کو معلوم ہو گا؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی: فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ ۲:۱۵۲)، (لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا)۔

حدیث قدسی میں یہ ارشاد ہے:

میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں۔ میں اس کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ جب وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنے نفس میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ کسی مجلس میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجلس (یعنی ملائکہ) میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔

یہ انسان کی سربلندی کے لیے کتنا قابل فخر مقام ہے کہ اللہ اسے یاد کرے اور ملائکہ کی مجلس میں اس کا ذکر خیر ہو۔

جہاں ذکر کی یہ عظمت اور برکت ہے وہاں اس سے غفلت مہلک اور باعث ذلت اور گم نامی ہے۔ جو اللہ کو بھول جاتے ہیں اللہ ان کو بھلا دیتا ہے (التوبہ ۹:۶۷) اور پھر اللہ انھیں خود ان کے اپنے نفس میں بھلا دیتا ہے (الحشر ۵۹:۱۹)۔ یعنی خدا فراموشی کا لازمی نتیجہ خود فراموشی ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی تسبیح میں مصروف ہے۔ چنانچہ فرمایا: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الحدید ۵۷:۱)۔ جب انسان اللہ رب العزت کے ذکر، اس کی حمد و تسبیح میں مشغول ہوتا ہے تو وہ تمام کائنات کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ پھر اس کے لیے خیر و فلاح کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔

ذکر کو تمام زندگی میں سمو دینے کی ضرورت ہے۔ محض مخصوص اوقات میں گوشہ خلوت میں تسبیح خوانی سے ذکر کا حق ادا نہیں ہوتا۔ نماز، زکوٰة، روزہ اور حج، اس ذکر کی عملی تربیت گاہیں ہیں۔ پھر ذکر صرف زبانی ہی نہیں ہوتا بلکہ اس میں انسان کے ذہنی قویٰ بھی مصروف ہوتے ہیں۔ اس میں فکر بھی شامل ہے۔ چنانچہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورہ ال عمرٰن کی جو آیت اوپر نقل ہوئی ہے' اس میں ذکر کے فوراً بعد یہ فرمایا:

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(ال عمرٰن ۳:۱۹۱)

اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار' یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے' تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب' ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔

لہٰذا ذکر وہی نافع ہوتا ہے جس میں فکر شامل ہو اور اس فکر سے آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا ہو اور پھر عذاب جہنم سے بچنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہو۔

عبادات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید سے گہرا تعلق ذکر الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو خود ذکر سے تعبیر کیا ہے۔ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ (الانبیاء ۲۱:۵۰) "یہ بابرکت ذکر ہے"۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (الحجر ۱۵:۹) "ہم نے یہ ذکر نازل کیا ہے"۔ اور اس ذکر کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان بھی بنایا ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر ۵۴:۱۷) "ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے' پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟" اس لیے قرآن مجید کی حضور دل کے ساتھ تلاوت اور اس پر فکر و تدبر کرنا تزکیہ نفس کا نہایت موثر ذریعہ ہے۔

ان کے علاوہ دیگر دعائیں' اذکار مسنونہ جو مختلف مواقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور ہیں' ان کا مقصد بھی اس بات کی یاد دہانی ہے کہ زندگی کے ہر اہم موڑ پر انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور مسلسل اس تعلق کو استوار رکھے۔ یہ اذکار محض زبانی نہیں ہیں بلکہ ان کا اظہار فکر و عمل سے ہونا چاہیے۔

جہاد کے سلسلے میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الانفال ۸:۴۵) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو' توقع ہے کہ تمھیں کامیابی نصیب ہوگی"۔ ثابت قدمی سے اللہ کی یاد کا مقصد یہی ہے کہ جہاد میں سرگرم عمل رہو۔

سورہ المنفقون میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں" (۶۳:۹)۔ اس کے معاً بعد یہ آیت آئی ہے' وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (المنفقون ۶۳:۱۰) "جو رزق ہم نے تمھیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے"۔ ظاہر ہے یہاں ذکر سے مراد انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ کی یاد کا تقاضا یہی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ انسان اپنی موت کو یاد رکھے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

تمام عبادات جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہیں' ان کا مقصود ہماری تربیت ہے۔ ان میں ہماری تمام بنیادی کمزوریوں کا کارگر علاج مضمر ہے۔ ان پر حصول تزکیہ کی نیت سے عمل پیرا ہو کر انسان فلاح کی منزل پا سکتا ہے۔

نسیان انسان کی بنیادی کمزوری ہے۔ نماز اس غفلت کا موثر علاج ہے۔

انسان دنیوی زندگی اور اس کی چمک دمک سے متاثر ہوتا ہے۔ وہ مال جمع کرنے اور مال کی محبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ اور انفاق اس کا علاج ہے۔

انسان اپنے نفس کی خواہشات سے مغلوب رہتا ہے۔ اسے کھانے پینے' آرام کرنے اور شہوت نفس کو پورا کرنے سے آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ روزہ ان خواہشات پر انسان کو کنٹرول کرنا سکھاتا ہے۔ حج کے ذریعے ان تمام ہی امراض کا علاج کیا جاتا ہے اور یوم آخرت کا نقشہ حج کے ذریعے موثر طور سے ذہن انسانی پر ثبت کیا جاتا ہے۔

۳۔ **اخوت' رفاقت اور صحبت صالح:** تزکیہ نفس کی راہ طویل اور مشکلات سے بھری ہوئی ہے۔ انسان تنہا اس راہ میں زیادہ عرصہ استقامت نہیں دکھا سکتا۔ ہم خیال ساتھی اور رفیق اس کٹھن راہ کو طے کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ ان سے مشکلات سے گزرنے میں مدد اور معاونت حاصل ہوتی ہے اور انسان کی ہمت و قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب حالات نامساعد ہوتے ہیں تو دوسروں کی عزیمت و استقامت ہمت بندھاتی ہے۔ اس لیے کہ "مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں"۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (التوبہ ۹:۷۱)' سورہ الحجرات میں تو اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹:۱۰) کہہ کر اخوت کے رشتے میں جوڑا گیا ہے۔ عقیدہ اور فکر کی یگانگت اس بات کی متقاضی ہے کہ تحریک کے ساتھیوں میں اخوت و محبت ہونی چاہیے اور وہ ایک دوسرے کے لیے رحم اور مواسات کے رشتے سے جڑے ہوئے ہوں۔ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ --- الفتح)۔ چنانچہ حدیث نبویؐ میں اس کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا: "تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو" (مسلم)۔

ہم خیال ساتھیوں کی رفاقت کتنی ضروری ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس طرح لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ہدایت دی ہے وہ یہ ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰکَ عَنْهُمْ (الکہف ۱۸:۲۸) "اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نگاہ نہ پھیرو"۔

یہ ممکن ہے کہ بعض صورتوں میں انسان کو اپنے قریبی لوگوں سے کٹ کر غیروں سے جڑنا پڑے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگرچہ طبیعت پر یہ بات ناگوار ہی ہو لیکن جہاد نفس کے لیے یہ ہجرت بھی کرنی پڑتی ہے۔

شیخ سعدیؒ نے جو یہ بات فرمائی ہے کہ صحبت صالح ترا صالح کند' حقیقت پر مبنی ہے۔ یعنی نیکی کی راہ اختیار کرنا ہے تو خدا کے نیک اور بزرگ بندوں کی صحبت اختیار کرنا چاہیے۔ دور حاضر کے ماہرین عمرانیات اور نفسیات اس بات پر متفق ہیں کہ اپنے ہم عمر دوستوں کا اثر انسان کے اخلاق و عادات کو ڈھالنے میں سب سے زیادہ موثر عنصر ہے۔

رسولؐ اللہ نے ہمیں آگاہ کیا کہ آدمی کا دین اور طور و طریق دراصل وہی ہوتے ہیں جو اس کے دوستوں کے ہوں۔ اس لیے آدمی کو اس بات پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ وہ کن لوگوں سے دوستی اور صحبت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ علی ہجویریؒ اپنی معرکتہ الارا تصنیف کشف المحجوب میں یہ حکایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص کعبہ کے گرد طواف کر رہا تھا' اور یہ دعا کر رہا تھا: اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اِخْوَانِیْ (اے اللہ! میرے بھائیوں اور دوستوں کو نیک بنا دے)۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس مقدس مقام پر پہنچ کر تو اپنے لیے کیوں نہیں دعا کرتا؟ اپنے بھائیوں اور دوستوں ہی کے لیے کیوں دعا کر رہا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: میرے جو بھائی ہیں میں انھی کے پاس لوٹ کر جاؤں گا۔ اگر وہ نیک و صالح ہوئے تو میں بھی ان کی صحبت میں نیک و صالح بن جاؤں گا اور اگر وہ مفسد و بدکار ہوئے تو ان کے ساتھ میں بھی ویسا ہی ہو جاؤں گا۔

۴۔ **دعوت:** علم کے حصول کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انسان تدریس میں مصروف ہو کیونکہ جب اس علم کو نہ صرف سمجھنے بلکہ سمجھانے کا مرحلہ درپیش ہو گا تو لازماً انسان اس موضوع پر مسلسل غور و فکر کر کے اس علم کے رموز و حقائق کا ادراک حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح جس راہ دعوت کو ہم نے اپنے لیے صحیح سمجھا ہے اور اس پر گامزن ہیں' اسے دوسروں تک پہنچانا وہ فطری طریقہ ہے جس سے انسان کی تربیت ہوتی ہے۔ اس کے لیے خانقاہوں میں چلہ کشی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ انسان کا اپنا گھر' ماحول اور دوست و احباب ہی اس کی تربیت گاہ بن جاتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کا اگرچہ اصل مقصد دوسروں تک بات پہنچانا ہوتا ہے لیکن اس کا فائدہ آدمی کو خود اپنی اصلاح کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ اس بات کو مولانا مودودیؒ نے بڑے حکیمانہ انداز میں یوں فرمایا ہے:

> تبلیغ حق کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس میں مشغول ہو' اس کی اپنی ذات پر وہ حق خود بخود طاری ہوتا چلا جاتا ہے جس کی تبلیغ میں وہ سرگرم ہوتا ہے۔ اس کا چرچا کرنے' اس کی اشاعت کی راہیں تلاش کرنے' اس کی تائید میں دلائل ڈھونڈنے اور اس کی راہ کی رکاوٹیں دور کرنے کی فکر جتنی زیادہ اس کو لاحق ہوتی ہے' اسی قدر زیادہ وہ اس میں مستغرق ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر یہ تبلیغ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تکمیل میں ایک اور طرح سے بھی مددگار ہوتی ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ اپنی پوری زندگی خدا کی بندگی میں دے دو، اپنی زندگی سے تضاد اور منافقت کو دور کرو اور جاہلیت کے ایک ایک اثر کو اپنے اندر سے نکالو تو اس کے گردوپیش کی دنیا میں سے سیکڑوں نگاہیں خوردبین لگا لگا کر اس کی اپنی زندگی کا جائزہ لینا شروع کر دیتی ہیں اور اس کی کوئی خامی ایسی نہیں رہ جاتی جس کی نشان دہی کرنے سے زبانیں چوک جائیں۔ اس طرح ایک آدمی کو مانجھنے اور صاف کرنے میں بہت سے بندگان خدا، دانستہ یا نادانستہ لگ جاتے ہیں۔ جو اپنے ناقدین کی اس خدمت بے مزد سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس کی تکمیل آپ سے آپ ہوتی چلی جاتی ہے (تحریک اور کارکن، ص ۱۰۳-۱۰۴)۔

اس طویل اقتباس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اپنی تربیت اور اصلاح کا فطری طریقہ کار یہی ہے کہ انسان دعوت و تبلیغ میں سرگرم ہو جائے۔ پھر اسے کسی اور تربیت گاہ کی حاجت نہیں رہتی۔ سیرت سازی کے سارے پروگرام صرف اس ایک عمل سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

۵- **اجتماعی زندگی - اصلاحی تنقید**: ایک اسلامی نظم جماعت سے منسلک ہو کر جب انسان اجتماعی زندگی گزارتا ہے تو اس کی وہ صلاحیتیں جو منظم کام کرنے کے لیے درکار ہوتی ہیں، نشوونما پاتی ہیں۔ بلاشبہ ایک فرد تزکیہ نفس کی اعلیٰ منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ لیکن محض افراد کی انفرادی کوششوں سے معاشرے میں وہ انقلاب رونما نہیں ہو سکتا جس کا اسلام ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔ معاشرے میں تبدیلی منظم اجتماعی تحریک سے لائی جا سکتی ہے۔ یہ وہی بات ہے جسے حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے: "میں تمھیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ سمع اور طاعت، جہاد اور ہجرت اور جماعت" (رواہ ترمذی)۔

سمع اور طاعت کا حکم اور اس کا التزام قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ ہجرت اور جہاد ہی وہ راہ ہے جس سے انسان کی شخصیت میں جلا پیدا ہوتی ہے اور وہ ان تمام قربانیوں کے لیے آمادہ ہوتا ہے جو اس راہ کے لیے درکار ہیں۔ جماعت میں رہ کر ہی آدمی اپنی تربیت مکمل کر سکتا ہے۔ روح تنقید کو جماعت میں بیدار رکھنا چاہیے تاکہ اجتماعی زندگی میں جو خرابیاں رونما ہوں، ان کی اصلاح کی جا سکے۔ تنقید کی اہمیت اور اجتماعی زندگی میں اس کی ضرورت پر مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

تنقید ہی وہ چیز ہے جو ہر خرابی کی بروقت نشان دہی کرتی اور اس کی اصلاح کا احساس پیدا کرتی ہے۔ اجتماعی زندگی کے لیے اخلاقی حیثیت سے تنقید کی وہی اہمیت ہے جو مادی حیثیت سے صفائی کی اہمیت ہے۔ جس طرح نجاست و طہارت کی حس مٹ جانے اور صفائی کی کوشش بند ہو جانے سے ایک بستی کا سارا ماحول گندا ہو جاتا ہے اور اس کی فضا ہر طرح کے امراض کے لیے سازگار ہو جاتی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹھیک اسی طرح تنقیدی نگاہ سے خرابیوں کو دیکھنے والی آنکھیں، بیان کرنے والی زبانیں اور سننے والے کان اگر بند ہو جائیں تو جس قوم، سوسائٹی یا جماعت میں یہ حالت پیدا ہو گی وہ خرابیوں کی آماجگاہ بن کر رہے گی اور پھر اس کی اصلاح کسی طرح نہ ہو سکے گی (تحریک اور کارکن۔ ص ۱۰۶)

جماعتی زندگی بسر کر کے ہی انسان میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ اختلافات کے باوجود وہ متحد ہو کر کام کرے۔ رائے، مزاج، حکمت عملی ہر چیز میں اختلاف ہونا، انسانی فطرت میں داخل ہے۔ لیکن انانیت کے بجائے اختلاف کے آداب و حدود کی پابندی کرنے سے انسان سب کے ساتھ چل بھی سکتا ہے اور اپنی بات موثر اور مدلل انداز میں منوا بھی سکتا ہے۔

آفات و حجابات:

جس طرح شاہراہ پر سفر کرنے والوں کے لیے مختلف تنبیہی نشانات محکمہ ٹرانسپورٹ کی طرف سے نصب کیے جاتے ہیں تاکہ ڈرائیور خطرات سے آگاہ رہے اور بحفاظت اپنا سفر طے کر سکے، اسی طرح تزکیہ نفس کی منزل کے مسافروں کے لیے بھی اس راہ کی رکاوٹوں اور آفتوں کی نشان دہی ضروری ہے تاکہ رہروان حق بخیریت اپنی منزل و مقصود تک حوادث راہ سے بچتے ہوئے پہنچ جائیں۔ اصلاً یہ وہ بیماریاں ہیں جو یا تو بیک وقت یا آہستہ آہستہ انسان کو اس کی منزل سے دور کرتی رہتی ہیں۔ اس لیے ان سے آگاہی ضروری ہے۔

۱۔ **غفلت اور بے پروائی** : یہ بڑی عام وبا ہے۔ انسان شوق سے اصلاح نفس کی طرف بڑھتا ہے۔ کچھ حاصل بھی کرتا ہے لیکن وہ نسیان کا پتلا بھی ہے اس لیے بار بار اللہ تعالیٰ نے تنبیہہ کی ہے وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ (غفلت برتنے والوں میں سے نہ ہو)۔ انسان کو جو کچھ بھی حاصل ہو اس کی پوری تن دہی سے نگہداشت کرے، اس کی قدر کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے تاکہ اسے انعامات سے مزید نوازا جائے۔ بے قدری، لاپروائی اور غفلت سے انسان وہ سب کچھ کھو دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دیا ہے۔ یہود اور نصاریٰ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف تصریح کی ہے کہ انھوں نے کتاب الٰہی کی ناقدری کی اور اس کو فراموش کر دیا۔ چنانچہ ان میں اختلاف رونما ہوا اور وہ راہ راست سے بھٹک گئے۔ (المائدہ ۵: ۱۳-۱۴)

۲۔ **کبر و غرور** : جب انسان تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہوتا اور اپنے آپ کو برائیوں سے دور رکھتا ہے اور نیکیوں کو اپناتا ہے، تو اپنے معاشرے میں اس کو کچھ نمایاں حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لوگ بھی اس کی راست بازی، شرافت نفس اور دین داری کی تعریفیں کرتے ہیں۔ تقویٰ اور احسان کے حصول میں اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تگ و دو نکھر کر سامنے آتی ہے۔ اگر وہ محتاط نہ ہو تو یہیں سے اس میں فخر کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب وہ کامل ہو گیا ہے۔ دوسروں کے مقابلے میں وہ اپنے آپ کو بہتر سمجھنے لگتا ہے۔ یہ شیطان کا داؤ ہے جو اسے فریب نفس میں مبتلا کر دیتا ہے۔ شیطان خود اس تکبر میں مبتلا ہو کر راندہ درگاہ باری تعالیٰ ہوا۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے: لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ کِبْرٍ' جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں داخل ہو گا۔

اس سے بچنے کے لیے انسان ان لوگوں کی طرف نہ دیکھے جو اس سے علم و عمل میں فروتر ہیں بلکہ ان کی طرف دیکھے جو تقویٰ' علم اور معرفت الٰہی میں اس سے زیادہ بلند مقام پر ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو انبیا علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ زندگیاں' اسوۂ حسنہ کے طور پر پیش کی ہیں' انسان جب بھی ان کے اعلیٰ مقام پر نظر رکھے گا تو اپنے آپ کو ہمیشہ فروتر پائے گا اور اس میں کاملیت کی غلط فہمی پیدا نہ ہو گی۔ جونہی انسان نے یہ سمجھا کہ وہ کامل ہو گیا ہے' وہی اس کے زوال کا پہلا زینہ ہے۔ اس لیے ہمیشہ اس جذبے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ ورنہ ہم نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ بھی کھو بیٹھیں گے۔

۳- **کاملیت کی ہوس:** انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ جس راہ پر وہ چل رہا ہے' اس کی بلندیوں تک پہنچ جائے۔ اگرچہ یہ جذبہ قابل قدر ہے لیکن چونکہ انسان خطا کا پتلا ہے' اس لیے اس کا ہر کام صد فی صد معیاری نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ اپنے کسی کام سے مطمئن نہیں ہوتے' انھیں کامل ہونے کی ہوس ہوتی ہے (perfectionist)۔ مگر جب یہ مقام حاصل نہیں ہوتا تو وہ بددل ہو جاتے ہیں اور مایوسی کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ حالانکہ نصب العین کی تعریف ہی یہ ہے کہ اس مقام کے لیے تگ و دو کی جائے جس کا حصول اگرچہ مطلوب ہو لیکن قابل حصول نہ ہو۔ اس لیے جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ وہ اتنا اعلیٰ اور ارفع مقام ہے کہ جہاں تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے۔

۴- **حب عاجلہ:** انسان فطرتاً جلد باز واقع ہوا ہے (خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ) (الانبیاء ۲۱:۳۷)' تزکیہ نفس کا حصول ایک طویل اور مسلسل جدوجہد چاہتا ہے۔ بہت جلد وہ کچھ حاصل نہیں ہوتا جو انسان کی خواہش ہوتی ہے۔ پھر اس راہ میں مشکلات بھی ہوتی ہیں' ان پر قابو پانے کے لیے صبر اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ بے صبری اور جلد بازی سے انسان کبھی بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہمت ہار دینے اور راہ فرار اختیار کرنے کے بجائے مشکلات و مصائب کا پامردی سے مقابلہ کرنے سے انسان کا اصل جوہر کھلتا ہے۔ یہ مجاہدہ نفس اور استقامت' تزکیہ کے لیے ناگزیر ہے۔ فوراً کامیابی کی طمع سے بلند مقاصد اور اعلیٰ اقدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل نہیں ہو سکتے۔

۵- **مایوسی :** مایوسی سب سے زیادہ مہلک بیماری ہے۔ یہ تو انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ سورہ یوسف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَايْئَسُوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۖ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (۱۲:۸۷) "اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں"۔ اس لیے جب حالات ناساعد ہوں، کامیابی کے امکانات دور دور تک دکھائی نہ دیتے ہوں، تو انسان پر قنوطیت چھا جاتی ہے۔ وہ مزید مایوسی اور بے چارگی کی کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان کو کسی حال میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، چاہے وہ سو بار بھی ناکام ہو۔ ہر ناکامی کے بعد عزم نو سے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہونا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۲۹:۶۹) "جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کریں گے انھیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے"۔

۶- **غلو :** انسان میں یہ عام کمزوری ہوتی ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو کر بے اعتدالی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ بعض مسائل میں، عبادات میں اور اخلاق میں وہ ایک انتہاپسندانہ روش اختیار کر لیتا ہے۔ اس پر ضرورت سے زیادہ اصرار کرتا ہے۔ اسلام انسان کو افراط و تفریط کے بجائے اعتدال کی راہ پر قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تزکیہ نفس کے لیے انسان توازن اور معتدل مزاج کو برقرار رکھے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ دین کے معاملے میں اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ بھی تم پر سختی کرے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: اِيَّاكُمْ بِالْغُلُوِّ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِى الدِّيْنِ، خبردار! انتہاپسندی میں نہ پڑنا کیونکہ تم سے پہلے لوگ دین میں انتہاپسندی اختیار کر کے ہی تباہ ہوئے ہیں۔

تزکیہ نفس کے حوالے سے مشکلات، مواقع اور آفات کا ذکر ہوا۔ اس سے یہ تاثر نہ پیدا ہو کہ یہ راہ ہم سے طے ہی نہ ہو گی۔ اس میں سراسر آسانی کے پہلو ہیں۔ اولاً انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ نیکی کو پسند کرتا ہے اور برائی سے طبعاً خوش نہیں ہوتا۔ پھر انسان کی تمام زندگی اور کائنات میں ہونے والے ہر واقعے میں تربیت کے پہلو ہیں۔ اس کے لیے وہ کسی تربیتی کورس کا محتاج نہیں ہوتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا حکم دیا ہے وہ انسان کے بس میں ہیں اور کسی شخص پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری نہیں ڈالتا ورنہ خلاف انصاف ہوتا۔ محترم خرم مرادؒ نے ان امور پر تفصیل سے اپنی کتاب **اپنی تربیت کیسے کریں؟** میں روشنی ڈالی ہے جس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

© rasailojaraid.com